ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

وقت کی پکار!

”میں مسلمانوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ جو زندگی وہ گذار رہے ہیں وہ ان کی تاریخ اور ان کے دعوے اور عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتی، آج وقت کی پکار یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھو، دنیا کے بڑے بڑے تجارتی شہر اور کارخانے اور مادی ترقی کا عروج دنیا کو تباہی سے بچانے سے قاصر ہیں، تم نے اپنی ذمہ داری کو بھلا دیا اور وہی طرز زندگی اختیار کیا جو دنیا کی خدا فراموش قوموں نے اختیار کر رکھا ہے، آج دنیا میں اس کی ضرورت ہے کہ تم اپنے عقیدے، عمل اور بے غرض دعوت کی زندگی پیش کرو۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(خطبات علی میاںؒ: ۵/۳۴۳)

₹ 10/- | مرکز الإمام أبی الحسن الندوي | OCT 18
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

صفر کے مہینہ کی بدعات

صفر کا مہینہ:- ''صفر'' یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''خالی ہونے کے ہیں''، اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے باشندے جن کی گھٹی میں جنگ وجدال شامل تھا، چار محترم مہینوں (رجب المرجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام) میں اپنی جنگوں کا سلسلہ موقوف رکھتے تھے، چونکہ رجب کے علاوہ بقیہ تینوں مہینے ایک ہی ساتھ ہیں، اس لیے تین مہینے تک وہ مستقل جنگ نہیں لڑتے تھے اور صفر کا چاند دیکھتے ہی وہ پھر میدان جنگ میں اتر آتے تھے، اس طرح اس مہینہ میں اکثر گھر مردوں سے خالی ہوجاتے تھے، اسی لیے اس مہینہ کو ''صفر'' کہا جانے لگا۔

جاہلی اعتقاد:- عہد جاہلیت میں یہ بات عام ہوگئی تھی کہ یہ مہینہ نہایت نحوست والا ہے، جب اس کا چاند طلوع ہوتا ہے تو بازاروں کی رونق ختم ہوجاتی ہے اور نہ جانے کتنے گھر اجڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس طرح کے تمام جاہلی اعتقادات کی کھل کر نفی فرمائی، اور یہ بات واضح کردی کہ کسی جانور سے بدشگونی لینے یا کسی مہینہ کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں، ارشاد فرمایا: "لَا عَدْوَی وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ" (مسلم) (کسی کی مرض کا لگ جانا، صفر کا مہینہ اور الو کا بولنا کچھ نہیں)

تیرہ تیزی:- تیرہ تیزی سے مراد صفر کے ابتدائی تیرہ دن ہیں، جن کو نہایت سخت اور منحوس تصور کیا جاتا ہے، یہ مانتے ہوئے کہ صفر کے ان ابتدائی تیرہ دنوں میں آپ ﷺ سخت بیمار ہوئے تھے، لہٰذا ان دنوں میں شادی بیاہ کرنا، عقیقہ کرنا یا کوئی بھی اہم کام کرنا منحوس سمجھا جاتا ہے اس لیے ان ایام میں کچھ ایسے کام کرنا ضرور مفید ہیں جو ان کی نحوست کم کرسکیں، مثلاً: روزہ رکھنا، خاص قسم کی نماز ادا کرنا، تین سو پینسٹھ آٹے کی گولیاں تالابوں میں پھینکنا، مٹھائی تقسیم کرنا وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے صراحت سے فرمادیا ہے کہ کوئی بھی مہینہ منحوس نہیں ہوتا نیز تمام سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے آخری ایام میں جب بیمار ہوئے تھے، تو وہ صفر کے آخری ایام تھے نہ کہ ابتدائی۔

آخری بدھ:- مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس ماہ کے آخری بدھ کے متعلق یہ خیال رکھتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ کو بیماری سے شفا حاصل ہوئی تھی، آپ ﷺ نے غسل صحت فرمایا تھا اور سیر وتفریح کے لیے نکلے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خوشی میں مٹھائی بھی تقسیم کی تھی، لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اس دن باقاعدہ خوشی منائیں، مٹھائیاں تقسیم کریں، عمدہ پکوان بنائیں اور سیر وتفریح کے لیے نکلیں۔

بلاشبہ یہ تمام باتیں بالکل بے بنیاد ہیں، اور حدیث نبوی وکتب سیرت میں ایسی کوئی بات درج نہیں، اور اس کا اعتراف خود بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولانا امجد علی رضویؒ بھی کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ماہ صفر کا آخر چہارشنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر وتفریح وشکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں، اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں، اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں، اور طرح طرح باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد ''لا صفر'' یعنی صفر کوئی نہیں، ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے'' (بحوالہ: بہار شریعت: ۲۱۴/۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۰ | اکتوبر ۲۰۱۸ء-محرم الحرام ۱۴۴۰ھ | شمارہ: ۱۰

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

نیکی کا معیار

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ﴾

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور مال کی چاہت کے باوجود مال خرچ کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں پر اور غلاموں کی آزادی میں)

(البقرۃ: ۱۷۷)

فی شمارہ: Rs.10/- | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسیٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فہرس

خودغرضی کا طوفان (اداریہ)..............۳

..............بلال عبدالحی حسنی ندوی

دینی سرحدوں کی حفاظت..............۴

..............مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

نصرت الٰہی کی بنیاد..............۶

..............حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

حقیقی کامیابی کا راستہ..............۸

..............مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

ایثار و مواسات کیا ہے؟..............۱۰

..............بلال عبدالحی حسنی ندوی

دعوتِ فکر و عمل..............۱۲

..............عبدالسبحان ناخدا ندوی

جنازے کے احکام..............۱۴

..............مفتی راشد حسین ندوی

اعمال صالحہ پر مداومت..............۱۶

..............محمد امین حسنی ندوی

توکل علی اللہ..............۱۹

..............محمد ارمغان بدایونی ندوی

شام-ایک مشترکہ محاذ جنگ..............۲۰

..............محمد نفیس خاں ندوی

حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اطاعت تیری

نتیجۂ فکر:- مولانا عزیز اللہ عزیز صفی پوریؒ

مصحف پاک ہے کونین میں حجت تیری
حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اطاعت تیری

کنت کنزا سے ہویدا ہے حقیقت تیری
نور بے کیف کا آئینہ ہے صورت تیری

جس نے دیکھا تجھے اللہ کو پہچان لیا
سرِّ توحید بعثت ہے رسالت تیری

انبیاء سب ترے میثاق پہ مبعوث ہوئے
حق کے نزدیک مقدم ہے شہادت تیری

مغفرت کیوں نہ کرے مل کے مداوا اس سے
جس کی تقدیر میں لکھی ہے شفاعت تیری

آشکارا ہوئی آدم کی حقیقت تجھ سے
جس طرح کنت نبیا سے حقیقت تیری

ہر رگ و پے میں سماتی ہے تجلی بن کر
جان لیتی ہے عجب ڈھب سے محبت تیری

کرلیا اپنی طرف محو کیا دونوں کو
دل پہ احسان ہے اور آنکھ پہ منت تیری

جسم و جاں کو تیری ہستی نے عطا کی ہستی
دونوں عالم میں سماتی نہیں ہستی تیری

نور حق کیوں نہ سما جائے ترے دل میں عزیزؔ
کیسے محبوب پہ آئی ہے طبیعت تیری

مدیر کے قلم سے

خود غرضی کا طوفان

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا نے بڑے بڑے طوفان دیکھے جنہوں نے نہ جانے کتنے گھروں کو، کتنی بستیوں کو ویران کیا، پورے پورے شہر تباہ ہوگئے، لیکن انسان باقی رہا، اس کی انسانیت باقی رہی، جو ستم رسیدہ تھے، زخم خوردہ تھے ان کو سنبھالا گیا، مرجھائی ہوئی کھیتی پھر لہلہانے لگی، اس لیے کہ جوہر انسانیت باقی تھا، آج دنیا جس طوفان سے جوجھ رہی ہے وہ انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتارنا چاہتا ہے، اس نے محبت و ہمدردی کے سب رشتوں کو پامال کردیا ہے، سگا بھائی بھائی کا گلا کاٹنے کو تیار ہے، اس کے آگے اولاد کی محبت بھی دم توڑتی نظر آرہی ہے، ماں باپ کی عظمت ومحبت کی اس کے آگے کیا حیثیت! لگتا ہے سب خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گا، یہ خود غرضی، مفاد پرستی اور انانیت کا طوفان ہے، اس کی لپیٹ میں پوری دنیا ہے، کیا امیر کیا غریب، کیا پڑھا لکھا کیا جاہل، کیا جوان کیا بوڑھا، سب اس کا شکار ہیں، کہیں اس کی موجیں اتنی اونچی ہیں کہ اونچی سے اونچی عمارتیں بھی محفوظ نہیں اور کہیں اس کا اثر کچھ کم نظر آتا ہے مگر کوئی اس طوفان بلاخیز سے محفوظ نہیں، شاید ہی چند ایسے فلک بوس ٹیلے ہوں جو اس کے اثر سے محفوظ ہوں۔ افسوس کی بات یہ ہے حالی کی زبان میں ؏ پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

انسان کا کیا ہوگا، اصل جوہر ہی اگر نہ رہا تو انسان کب رہا، انسان اور جانور میں فرق ہی کیا رہا۔

یہ طوفان یورپ سے اٹھا، جہاں اخلاق کو جہالت سمجھا گیا، کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانا بیوقوفی قرار دیا گیا، جہاں بھیڑیے کو ایک سمبل (Symbol) کے طور پر دکھایا گیا، کیپٹلزم (Capitalism) بھی اس کی ایک نشانی ہے، جہاں مالدار غریب کا خون چوستا ہے اور اس کو عقل وخرد کا معیار سمجھتا ہے۔

اولڈ ایج ہومس (Old Age Homes) قائم کیے گئے اور بوڑھے ماں باپ کو اپنی راحت وآرام کے لیے زندان کے حوالہ کردیا گیا، جہاں ماں باپ اولاد کے بارے میں بھی خالص بزنس مائنڈ سے سوچنے کے عادی ہوچکے ہیں، خود غرضی کا یہ سیلاب آج پوری طرح مشرقی ملکوں میں داخل ہوچکا ہے، یہاں بھی اولڈ ایج ہومس قائم ہوچکے ہیں، اور یہاں بھی اپنی راحت وآرام کے لیے سب کچھ روا رکھا جانے لگا ہے۔

یہ طوفان گھر گھر داخل ہوچکا ہے، پارٹیاں ہوں، ادارے ہوں، بڑے بڑے سینٹرز ہوں، کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکا۔

اپنے فائدہ کے لیے سب کچھ کیا جاسکتا ہے، ملک بیچا جاسکتا ہے، انسانیت کو نیلام کی منڈی پر چڑھایا جاسکتا ہے، قدروں کی یہاں پوچھ نہیں، اخلاق بے حیثیت ہیں، صرف فائدہ دنیا کا، صرف فائدہ، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، خود غرضی فرد میں بھی ہے اور پارٹیوں میں بھی، جماعتوں میں بھی اور ملکوں میں بھی، اس کے دائرے چھوٹے بھی اور بڑے بھی، شاید گنے چنے لوگ ہوں جو اس کے چنگل سے آزاد ہوں۔

اس طوفان بلاخیز میں ضرورت ہے ایسے ڈیم (Dam) کی جو سد سکندری ثابت ہو، جو انسانوں کی انسانیت کو بچاسکے، ان کی محبت کی گرمی باقی رکھ سکے، اخلاق کی گرتی دیوار کو سنبھال سکے۔

معلم اخلاق ﷺ نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے انسانیت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا تھا، انسانوں کو انسانیت کی معراج عطا کی تھی، اس کو زندگی کا مقصد سمجھایا تھا، وحدت رب اور وحدت اب کی ایسی انسانی وحدت بخشی تھی جس کا تصور بھی اس وقت کے انسان کے پاس نہیں تھا۔

اس طوفان سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے، اخلاق وکردار کا یہی ایک ڈیم ہے، جو معلم اخلاق وانسانیت ﷺ نے دنیا کے لیے تیار کیا تھا، اس کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، اور دنیا کو اسی کے سایہ تلے لانے سے اس کو طوفان سے بچایا جاسکتا ہے۔ اگر دنیا نے سنبھالا نہ لیا، اس محسن انسانیت ﷺ کو آئیڈیل نہ بنایا تو دنیا تباہی کے اس غار میں گرسکتی ہے کہ پھر شاید اس کو سنبھالا نہ جاسکے۔

دینی سرحدوں کی حفاظت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن﴾(آل عمران: ۲۰۰) (اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو اور صبر کی فضا اور اس کا ماحول پیدا کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب اور تلقین کرو، اور سرحدوں کی حفاظت پر جمے رہو، اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو)

اس آیت میں جو پہلا حکم اور اولین خطاب ہے وہ یہ کہ ایمان والو صبر سے کام لو۔

ایک زبان سے کوئی لفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے اور وہ بہت لمبا سفر کرتا ہے تو وہ سفر مکانی بھی ہوتا ہے اور زمانی بھی، یعنی وہ لفظ بہت دور سے آتا ہے اور بہت دور تک جاتا اور لوگوں میں پہنچتا ہے، تو اس کے معنی میں کچھ فرق آجاتا ہے یا معنی محدود ہو جاتے ہیں، پہلے وہ لفظ بہت وسیع رقبہ پر محیط اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا، لیکن بعد میں وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے، ان الفاظ میں صبر کا لفظ بھی ہے جس کے ساتھ تھوڑی سی حق تلفی ہوئی لیکن اس نے صبر سے کام لیا، وہ یہ کہ صبر کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر کچھ صدمہ پڑھائے اور کوئی حادثہ پیش آجائے، یا کوئی تکلیف ہو تو ضبط کرو زیادہ روؤ دھوؤ نہیں اور اپنی شکایت نہ کرو، لیکن عربی میں صبر کے معنی اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں، صبر کے معنی ہیں: جم جانا، پختہ رہنا اور مقابلہ کرنا اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے اصولوں کو نہ چھوڑنا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وصابروا﴾ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو، صبر کا ماحول، اس کی فضا اور کیفیت پیدا کرو، جیسے کوئی بہت بڑا شامیانہ ہوتا ہے، اگر تھوڑے آدمی ہوں گے چھوٹا شامیانہ ہوگا، اگر کئی سو اور کئی ہزار ہوں گے تو بڑا شامیانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تلقین فرماتا ہے کہ صبر کا اتنا بڑا شامیانہ بناؤ کہ سب کے سروں پر وہ تنا ہوا ہو، پھر آخر میں فرماتا ہے: ﴿ورابطوا﴾ اپنے عقیدہ کی سرحدوں پر جمے رہو، کچھ ہو جائے دنیا بدل جائے، حکومتیں بدل جائیں، سکہ اور زبان بدل جائے، طاقت بدل جائے، ہم اپنے عقیدے سے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب پیغمبروں نے ہمیں عطا فرمایا ہے، اس سے ہم سر مو انحراف نہ کریں گے اور عقیدۂ توحید سے ذرہ برابر نہ ہٹیں گے کہ اس دنیا کا بنانے اور اس کا چلانے والا دونوں ایک ہے؛ ﴿ألا له الخلق والامر﴾ تخلیق اسی کا کام ہے، حکم دینا اور انتظام کرنا اسی کا کام ہے، بہت سے مذاہب اور فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا تو اللہ میاں نے بنائی ہے، لیکن اس کو بہت سی طاقتیں چلا رہی ہیں، کوئی جلاتا ہے، کوئی مارتا ہے، کوئی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور کوئی اچھے کو بیمار۔ نہیں! اللہ تعالیٰ ہی نے اس دنیا کو پیدا کیا اور وہی اس کا نظم و نسق چلاتا ہے۔

تو ﴿رابطوا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے عقیدے کی سرحد پر بیٹھ جاؤ اور اس سے ہرگز ہٹنے نہ پاؤ، چاہے کتنے بڑے بڑے امتحان آزمائشیں پیش آئیں، مصیبتیں آئیں، آندھیاں آئیں، زلزلے آئیں، بجلیاں گریں، ہم اپنی سرحد سے ہٹنے والے نہیں ہیں، کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہم کو وہاں سے ہٹائے، ہم گھر اور بال بچوں کو چھوڑ دیں گے، اپنے عقیدے اور اپنے دین سے ہرگز نہیں ہٹیں گے، یہ آیت اگر ہم اپنے دل پر لکھ لیں اور ہمارا ذہن اس کو قبول کر لے اور اللہ توفیق دے تو ہر زمانہ کے لیے پورا پیغام رکھتی ہے، اس زمانے کے لیے تو خاص طور سے یہ آیت معجزہ ہے، جیسے اس زمانہ میں یہ آیت اتری ہو اور اس زمانے کے لوگوں سے خطاب ہو۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے، اس کے لیے جہاں اور چیزیں ہیں وہیں تھوڑی سی سمجھ اور تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شرط ہے، ان سب کے ساتھ تھوڑا سا ارادہ اور تھوڑی سی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہمت چاہیے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو جو پیغام ملا ہے، اس کو ہم سینے سے لگالیں گے اور اس کو اپنی زندگی کا مسئلہ بنالیں گے، جان جائے چلی جائے، لیکن ہم اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں، اس نے پیغمبروں کے ذریعہ ہم کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں اور تمام حکومتیں گرد ہیں، اس نعمت کو دانتوں سے پکڑلو اور آنکھوں میں اس کو بٹھاؤ اور دل میں جگہ دو، جس نے اس دین کی قدر کی تو اس نے گویا مضبوط کڑی کو تھام لیا؛ ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی﴾ ہر زمانے کا اور خاص طور سے اس کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں، زمانہ کے امتحانات اور اس آزمائشیں بدلتی رہتی ہیں، اس کی ترغیبات، لالچیں، اس کی زبان، اس کا قانون حتیٰ کہ نظام حکومت و سیاست میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، میں کسی ایک ملک اور کسی ایک زمانہ کو بھی نہیں کہتا، میرے سامنے تو پوری تاریخ ہے، کبھی ایسا بھی وقت آتا ہے جب اپنے دین پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے، دوسری طاقتیں اس کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے

حصول کے لیے اور اپنی طاقت میں آنے اور اپنا سکہ چلانے اور ملک پر حکومت کرنے کے لیے یہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائیں، ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری دیومالائی قبول کرلو اور کفر اور شرک کے متعلق اپنے رویہ میں تبدیلی کرلو، لیکن دین کا مطالبہ یہ ہے کہ جان چلی جائے مگر دین میں کتر بیونت قبول نہ کریں، دین کی حفاظت میں اگر سینکڑوں اور ہزاروں نہیں، لاکھوں جانیں چلی جائیں اور عزتیں قربان ہوجائیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں کہ اصل چیز جس سے قبر اور قیامت میں واسطہ پڑنے والا ہے، وہ یہی دین ہے، وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور یہ حضور ﷺ کون ہیں؟ قبر میں یہ کام نہیں آئے گا کہ آپ فلاں کے بیٹے ہیں اور ایم اے پاس ہیں، کسی میونسپلٹی یا ریاست وحکومت کے گورنر اور حاکم ہیں، جس طرح آپ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سوار ہوجائیں اور ٹکٹ کلکٹر ٹکٹ مانگے تو آپ یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس اچھی گھڑی اور اچھا ساز وسامان ہے، ہم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں، لیکن آپ کے اس جواب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، وہاں تو ٹکٹ کا سوال ہوگا، یہی حال اس طالب علم کا ہوتا ہے جو امتحان میں پرچہ کا صحیح صحیح جواب دیتا ہے تو کامیاب ہوجاتا ہے، قبر کا بھی یہی حال ہے، جہاں اپنا دین اور اپنا ایمان کام آتا ہے، اس دنیا کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ ہمارے دین پر کتنا قائم ہے اور اس کے لیے کس نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مضبوطی اور استقلال کا ثبوت دیا ہے۔

تو سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صبر وضبط سے کام لو، اپنے دین پر مضبوطی سے جمے رہو، دوسروں کو بھی تھامے اور جمائے رکھو، اور ان کو صبر کی تلقین وترغیب دو، یہ اس طرح حاصل ہوگا کہ پہلے خود علم دین حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی دین کا علم دیں اور اس کی فکر کریں کہ ان کا دینی عقیدہ ٹھیک ہے یا نہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتے ہیں کہ نہیں، یہ نہیں کہ بچوں کی ترقی وخوش حالی اور دولت مند گھرانوں میں ان کی شادی کردی جائے، اس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، اگر آپ نے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دی، اس لیے بنیادی کام یہ ہے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں اور اس کی راہ میں کچھ قربانی دینی پڑے، کچھ خطرہ مول لینا پڑے، لیکن ہمت سے کام لو اور اپنے بچوں، گھر والوں پھر محلّہ والوں اور اس سے بڑھ کر گاؤں والوں اور قرب وجوار کے لوگوں کو گھوم پھر کر دین کی تعلیم دو، اس لیے تبلیغی جماعت ہے، اس کا گشت کرایا جاتا ہے کہ جو نعمت اور دولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اور جتنا دین آپ جانتے ہیں وہ دوسروں کو بھی بتایئے، اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید اور اردو پڑھے بغیر بچوں کو رہنے نہ دیجیے، چاہے لوگ آپ کو دھمکائیں اور کہیں کہ یہ کیا کھائیں گے، کیا کمائیں گے، ان کو آج کل کی زبان پڑھایئے، آج کل کا کورس پڑھایئے، اسکول بھیجئے، لیکن نہیں! خدا کے یہاں آپ کا دامن ہوگا اور ان کا ہاتھ ہوگا اور ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں خدا کا دست قدرت اور دست غضب نہ ہو اور آپ کا دامن نہ ہو کہ کیا پڑھایا تھا اپنے بچوں کو اور کیا سکھایا تھا ان کو۔

آپ یاد رکھیے کہ دینی تعلیم کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا ممکن نہیں ہے، دنیا میں جو چیزیں اثر ڈالتی ہیں اور ان کے جو نتائج ہوتے ہیں، تعلیمی طاقت، لسانی طاقت، ادبی طاقت، قانونی طاقت اور حکومتی طاقت کے اثرات اور نتائج ہم نے دیکھے ہیں، لیکن دینی تعلیم کے بغیر ملت اسلامیہ، امت اسلامیہ بن کر ہندوستان میں نہیں رہ سکتی، اس لیے ہر قیمت پر اپنے بچوں کو جغرافیہ پڑھایئے، تاریخ اور ادب پڑھایئے، سائنس اور حساب پڑھایئے، لیکن پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ دین کی بھی تعلیم دیجیے، مسجد مسجد اور گھر گھر اس کا انتظام ہونا چاہیے، اس تعلیم کو خوب چلایئے، اگر دین کی تعلیم کو آپ پھیلایئے گا نہیں، اس کو دبا کر بکس میں بند کر کے رکھیے گا تو پھر اس کے لیے خطرہ پیدا ہوجائے گا کہ کہیں سے کوئی ڈاکو آکر اس پر ڈاکہ ڈال دے، لیکن اگر آپ نے اپنے آس پاس کے ماحول کو صحیح رکھا، دوسروں کو بھی اس دولت میں شریک کریں گے، تو دوسرے بھی اس کو عزیز رکھیں گے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے۔

اب جو زمانہ آرہا ہے کہ وہ نیا زمانہ ہے، اس میں نئے انتخابات ہوں گے، نئی حکومت بنے گی، اور جو لوگ حکومت بنا سکتے ہیں وہ قانون بھی نیا بنا سکتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو نئے خطرات اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا، اور دوسروں کو بھی صبر واستقامت کی تلقین اور ترغیب دینی ہوگی، اگر ہم نے اخلاص واستقامت کا ثبوت دیا اور خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر سارے کام کیے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی، لیکن اگر مسلمانوں نے دینی تعلیم کے معاملہ میں کوتاہی کی تو مسلمان مسلمان بن کر اس ملک میں نہیں رہ سکتے، کسی اور چیز کا خطرہ ہم نہیں بتاتے، کھانے کو بھی ملتا رہے گا، جانوروں کو بھی ملتا ہے، غیر مسلم بھی آپ سے اچھا کھاتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے یہاں آپ مسلمان نہیں سمجھے جائیں گے، اور اسلام اور مسلمانوں کے دفتر میں آپ کا نام نہیں لکھا جائے گا۔

نصرت الٰہی کی بنیاد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

اللہ تعالیٰ نے دنیا امتحان کے لیے بنائی ہے، انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انسان دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق نظام قائم کرکے دکھائے، اب وہ نظام کتنا قائم کرتا ہے اور اللہ کو کتنا اپنا مالک سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، یا اور کسی کو بھی اپنے خالق و مالک کی طرح سمجھتا ہے، یہ دو نقطہ نظر ہو جاتے ہیں؛ ایک نقطہ نظر اللہ کی رضا پر عمل کرنا ہے، اور دوسرا دنیا سے محض فائدہ اٹھانا ہے اور اپنے نفس اور فائدے کے مطابق زندگی گذارنا ہے، سورۂ کہف کا مرکزی عنوان انہیں دو نکات کی توضیح و تفسیر ہے۔

سورۂ کہف میں سب سے پہلے اصحاب کہف کے واقعہ کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ یہ ہے کہ وہ چند نوجوان تھے، جو صاحب ایمان تھے، اور ان کا ایمان اتنا قوی تھا کہ وہ ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھے، لیکن ان کو ایمان کا سودا گوارہ نہیں تھا، لہٰذا جب طاغوتی حکومت کا شکنجہ ان نوجوانوں پر سخت ہوا اور ان کو کفر پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں یہاں سے روپوش ہو جانا چاہیے، اور جب ہم ان لوگوں اور ان کے معبودوں سے علاحدہ ہوں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، ورنہ یہ لوگ ہمیں کسی طرح اپنے ایمان پر قائم نہیں رہنے دیں گے، کیونکہ ظالم حکومت تھی اور یہ چند آدمی تھے، پوری قوم بھی ان کے عقیدہ پر نہیں تھی، لہٰذا یہی مناسب عمل اور رائے تھی کہ کسی غار میں جاکر پناہ حاصل کی جائے، اور ظالموں کو کچھ پتہ بھی نہ چلے کہ یہ نوجوان کہاں گئے، گویا ان کی نظروں سے دور ہو جائیں، ظاہر ہے اگر وہ شہر یا کسی مکان میں رہتے تو پتہ چل جاتا، اس لیے کسی ایسی سنسان جگہ پر پناہ لینا مناسب تھا جہاں کسی کا گذر نہ ہوتا ہو۔

اصحاب کہف نے سوچا کہ جب ہم غار میں پناہ گزیں رہیں گے تو اللہ ہماری مدد کرے گا، اور ہم کسی بھی طرح اس غار میں گذارا کرلیں گے، لیکن ظالموں کے ہاتھ نہیں آئیں گے، ورنہ وہ شرک و کفر پر مجبور کریں گے، اس لیے کسی اچھے بنے ہوئے غار میں رہنا ہی بہتر ہے، انشاء اللہ ہمارا رب ہمارے لیے اپنی رحمت کھول دے گا۔

اصحاب کہف نے یہ بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہی رزق دیتا ہے، اور اسی کی عبادت کی جاتی ہے، لہٰذا جب ہم اللہ کے لیے غار میں چھپیں گے، تو اللہ تعالیٰ وہاں ہمارا بند و بست فرمائے گا، ہمارے لیے اپنی رحمت کھول دے گا، اور ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا کہ ہماری ضرورت پوری ہو جائے گی، یعنی وہاں اللہ تعالیٰ زندگی کے بقاء کی کوئی شکل پیدا کردے گا، جب ہم اللہ پر توکل کرکے یہ خطرہ مول لیں گے کہ گھر بار چھوڑ کر، اپنے وسائل چھوڑ کر بالکل سنسان جگہ پر رہیں گے، جہاں ہم کو کسی کا تعاون نہیں مل رہا ہوگا، تو جو اللہ جانوروں کو رزق دیتا ہے، صحراء میں رزق دیتا ہے، وہی ہم کو بھی رزق دے گا، یہ اس کے ہاتھ میں ہے، اور اس کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے، اس کے واسطہ اللہ تعالیٰ کوئی بھی سہارا یا ذریعہ پیدا کردے گا، چنانچہ اسی سہارے کا یوں تذکرہ ہے:

﴿وَتَرَى الشَّمْسَ .... وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

(اور آپ دیکھیں کہ سورج جب طلوع ہوتا تو ان کے غار کے دائیں جانب سے ہوکر گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو ان سے کترا کر بائیں طرف سے نکل جاتا اور وہ اس کی ایک کھلی جگہ میں تھے، یہ اللہ کی ایک نشانی ہے، جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جس کو گمراہ کردے تو آپ کو اس کے لیے کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اس کی رہنمائی کرنے والا ہو)

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان انتہائی مضبوط تھا، اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ان کے شامل حال تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بقاء کا بہترین انتظام فرمایا، وہ اس طور پر کہ جب سورج نکلتا تو ان کی غار سے ذرا ہٹ کر دائیں طرف سے گذر جاتا، اور جب غروب ہوتا تو شمال کی طرف ذرا ہٹ کر غروب ہوتا، یعنی سورج کی شعاعیں ان لوگوں پر براہ راست نہیں پڑتی تھیں، بلکہ یہ لوگ اس سے کچھ علاحدہ تھے، جس کی وجہ سے ان پر سورج کی تپش نہیں پڑتی تھی، لیکن انسانی زندگی کے لیے سورج بھی بہت ضروری ہے، لہٰذا ان لوگوں کے لیے سورج کا طلوع و غروب مفید تھا، اللہ تعالیٰ نے سورج کی شعاعوں کو انسان کی زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، سورج کی

جو شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں تو فضا میں ان کے ذریعہ ایسا موسم بنتا ہے جو انسانی جسم کے لیے ضروری و مفید ہے، اگر آدمی سورج سے بالکل کٹا رہے اور اس کو سورج کی روشنی سے بالکل فائدہ نہ پہنچے، تو اس کی صحت کو نقصان پہنچتا ہے، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کو بھی انسان کی صحت وزندگی کا ایک ذریعہ بنایا ہے، مذکورہ آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کہف کو حسب ضرورت سورج کی گرمی سے فائدہ پہنچتا تھا، لیکن سورج ان کو تپش نہیں دیتا تھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اللہ نے یہ شکل پیدا فرمادی جو انسان کے لیے مفید ہے۔

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا کہ اللہ جس کو راہ راست عطا فرماتا ہے وہ راہ راست پر آتا ہے، یعنی یہ محض توفیق الٰہی سے ہوتا ہے، کوئی شخص اس کا دعوی نہ کرے، خواہ وہ کتنا ہی اللہ والا ہو، وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ ہم نے یہ مقام خود پیدا کیا ہے، بلکہ ہر شخص اللہ کا فضل اور رحمت سمجھے کہ اس نے ہم کو راہ راست پر ڈالا، ورنہ ہم خود ہدایت پانے والے نہیں تھے اگر اللہ ہدایت نہ دیتا۔ فرمایا؛ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اللہ ایسی صورت پیدا فرمادیتا ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے، ورنہ عام حالات میں ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

اور پھر فرمایا؛ جس کو اللہ گمراہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کا کوئی ولی نہیں ہے، یعنی اس کو کوئی نہیں بچا سکتا، پھر اس کا کوئی دوست اور ہمدرد نہیں ہے، اور اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے، نہ کوئی مرشد ہے نہ ولی۔ ''ولی'' عربی میں تعلق والے کو کہتے ہیں، اسی لیے عربی میں چچازاد بھائی کو بھی ولی کہتے ہیں اور اپنے محترم وہم درس دوست کو بھی ولی کہتے ہیں۔ یعنی جس کو اللہ گمراہ رکھنا چاہے اس کے لیے نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ کوئی ہمدرد پاؤ گے، نہ اس کو کوئی ہمدرد اور دوست ملے گا، نہ کوئی اس کا ساتھی اور نہ کوئی اس کا عزیز ہوگا، جو اس کا مصیبت میں کام دے، اور نہ کوئی مرشد ہوگا، اور نہ کوئی راہ بتانے والا ہوگا، اگر اللہ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ یہ گمراہ ہے۔

لیکن اللہ کوئی فیصلہ یوں ہی نہیں کرتا، بلکہ اس نے فرمادیا ہے کہ تم کو جو بھی مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہاری ہی حرکت وخرابی کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ اگر اللہ دیکھتا ہے کہ کسی میں یہ ضد ہے کہ وہ حق کی بات نہیں ماننا چاہتا، کھلے طریقہ سے حق بات کی مخالفت کررہا ہے، اور اس کے علم میں حقیقت آگئی ہے، پھر بھی نہیں مان رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑا ضدی ہے، پھر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اب تم بھگتو اگر تم نہیں مانتے، تم کو سمجھایا جارہا ہے کہ دیکھو اس میں تمہیں نقصان ہے، لیکن تم کبر وغرور میں اڑے ہوئے ہو کہ ہم دوسرے کی بات کیسے مان لیں، اگر ہم اپنی زندگی میں جائزہ لیں تو ایسا بہت ہوتا ہے، ایسے مواقع بہت آتے ہیں، جن میں آدمی صحیح بات کو اس لیے نہیں مانتا کہ اس میں گویا ہماری شکست ہے، ہوسکتا ہے اس کے بعد یہ سمجھا جائے کہ گویا ہم کم سمجھ تھے، ابھی تک ہم حقیقت کو نہیں سمجھ رہے تھے۔ اس سے بچنے کے لیے آدمی حق بات کی مخالفت کرتا ہے اور دلیلیں بھی دیتا ہے کہ ہماری بات صحیح ہے، جب کہ اندر سے سمجھ رہا ہے کہ ہم غلط ہیں، البتہ اگر ہم نے اس کو مان لیا تو ہماری ذلت ہوجائے گی۔ غرض کہ ایسے مواقع انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی گمراہی کے معاملہ میں ضد پر آجائے تو اللہ کہتا ہے کہ اب تم گمراہی میں خوب مبتلا رہو، اور اس میں جتنا آگے جانا چاہتے ہو چلے جاؤ، جتنا ڈوبنا چاہتے ہو ڈوبو، ہم نے تم کو منع کیا، بتایا اور سمجھایا، ہم تمہارے ہمدرد ہیں، تمہیں بتارہے ہیں کہ تم کو چوٹ لگ جائے گی، تم گر جاؤ گے، لیکن تم اپنے غرور میں بات نہیں مانتے، تو پھر ٹھیک ہے اب اس کا خمیازہ بھگتو۔

اسی پس منظر کے تحت آیت بالا میں ارشاد ہے کہ جس کو اللہ گمراہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کو کوئی نہیں بچا سکتا، ظاہر ہے اگر اللہ تعالیٰ کی ہمدردی کی نظر ہٹ گئی تو کوئی ہمدرد نہیں ملے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے سلسلہ میں بتارہا ہے کہ ان لوگوں نے ہمت سے کام لیا اور اپنے دین کو بچانے کے لیے آخری حد تک جانے کو تیار ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا انتظام بھی کردیا، اور ایسا انتظام کیا جو معجزہ بن گیا، جو انتظام عام حالات میں ہو ہی نہیں سکتا، وہ انتظام اللہ تعالیٰ نے کیا، اس لیے کہ ان لوگوں نے بھی ہر قربانی کے لیے اپنے کو پیش کیا، اور آبادی سے کٹ کر، ہر ایک سے کٹ کر ایسی جگہ چھپے جہاں نہ کسی کا تعاون مل سکتا ہے، نہ کوئی ذریعہ ہے، لیکن یہ لوگ اس کے لیے تیار ہوگئے کہ مر ہی تو جائیں گے، لیکن ہم ایمان کو نہیں چھوڑیں گے، ظاہر ہے اگر کوئی ایسا پختہ صاحب ایمان ہو تو اس کے لیے اللہ کی مدد طے ہے۔

حقیقی کامیابی کا راستہ

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ

دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس جب تک عہدہ ہے اس کے ساتھ ہے، ورنہ کسی اور کے ساتھ ہے، تاکہ دنیوی منفعت سے دامن خالی نہ رہے، اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی طرح کرسی حاصل ہوجائے، کیونکہ دنیا والوں کی نگاہ میں کرسی والا ہی بڑا ہے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ جس دن کرسی کھسکتی ہے تو انسان سر کے بل نیچے آجاتا ہے، اس لیے آدمی کو ایسی مکر و فریب کی کرسی کے چکر میں نہیں رہنا چاہیے، بلکہ تقویٰ کی فکر میں رہنا چاہیے، یعنی اچھی بات کہنے کی عادت ڈالے، اچھے سے اچھا عمل کرنے کی کوشش کرے، حقیقت یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ ایسا کرے گا وہ اتنا ہی زیادہ کرسی والا ہوتا چلا جائے گا، پھر کرسی اس کے پیچھے بھاگے گی، ورنہ ساری عمر وہ کرسی کے پیچھے بھاگتا رہے گا، اگر موجودہ حالات میں بھی اس بات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ کرسی کے پیچھے بھاگتے ہیں تو کرسی ان کے آگے آگے رہتی ہے اور وہ پیچھے، اور جو لوگ کرسی سے بھاگتے ہیں کرسی ان کے پیچھے ہوتی ہے اور وہ آگے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے کہ جو دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اس سے بھاگتی ہے، اور جو دنیا سے بھاگتا ہے دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

اصل عزت اور کامیابی کے حصول کا راستہ وہ ہے جس کی طرف دین اسلام نے رہنمائی کی ہے، یعنی تقوی کو اختیار کرنے کا راستہ، اگر کوئی شخص متقی بن جائے یعنی اچھے کاموں کا مزاج بنالے تو بلاشبہ ایسا شخص ہی کامیاب اور باعزت ہے، ایسے شخص کو کوئی نہیں گھٹا سکتا، کیونکہ اس کو عز وشرف کی بلندیاں اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں، اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ تمام کرسی والے، عزت والے اس کے سامنے بے حیثیت ہوجاتے ہیں، اور ظاہری طور پر طاقتور لوگ ایسے حقیقی باعزت شخص کے سامنے جھک جاتے ہیں، اور اس کے ہر قول کی تصدیق اور اس پر عمل کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

اس غیر معمولی عز وشرف کی شرط صرف یہی ہے کہ انسان بس اللہ کے سامنے جھکے، اور اسی کے لیے تقوی اختیار کرے، ایسا نہ ہو کہ یہ معاملہ بھی ظاہری ہو، اور دل ودماغ کہیں اور الجھا ہوا ہو، جیسا کہ آج کل ہماری نماز کا حال ہے، اللہ معاف کرے ہماری نماز کا حال یہ ہے کہ اللہ کے سامنے جھکتے ضرور ہیں، لیکن جیسے ہی ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے اپنے کو ہٹا رہے ہیں، یعنی نماز سے پہلے پھر بھی اللہ کا کچھ خیال آتا ہے، لیکن نماز شروع ہوتے ہی معلوم ہوا دکان میں گھوم رہے ہیں، لڑائیوں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے ہوئے ہیں، سارا کاروبار نماز میں ہورہا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم صحیح طور پر جھکتے ہی نہیں، اس کی بھی مشق کی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کے سامنے کیسے جھکیں، اور یہ عادت کیسے بنے کہ ہمارے ذہن میں کوئی بات بھی نہ آئے، سوائے اللہ کی حمد وثناء کے، اس کی تسبیح کے، اور اس کی مدح سرائی کے، اور اس کے کلام کے پڑھنے کے، اور دل میں اس کی تسبیح کرنے کے، اور اپنے آپ کو بالکل اس کے سامنے جھکا دینے کے، اس کے علاوہ اور کوئی خیال ہی نہ آئے، ظاہر ہے اگر یہ ہوگیا تو ہماری نماز اچھی ہوجائے گی، لیکن اگر یہ نیت ہی نہ ہو تو نماز خراب ہوجائے گی، اسی لیے نیت سب سے اعلی درجہ کی چیز ہے، سب سے اعلیٰ ترین عمل نماز ہے، لیکن اگر ہم نے کسی بری نیت سے نماز پڑھی یا نیت ہی نہیں کی تو نماز ہی نہیں ہوگی، گویا بغیر نیت کے ایک اچھا کام بھی برا ہوجائے گا، یہ الگ بات ہے کہ نیت زبان سے دہرانا ضروری نہیں ہے، بلکہ دل میں استحضار پیدا ہونا بھی کافی ہے، غرض کہ ہر انسان کو اس سلسلہ میں بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ وہ ہر عمل میں صالح نیت رکھے، اور دل کو دنیوی آلائشوں سے محفوظ رکھے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کے مزاج میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ہر کام اللہ کے لیے کرتے تھے، اللہ کے لیے تقریر کرتے تھے، اللہ

کے لیے گھر سے باہر آتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کر دیا، ان کا چلنا، ان کا اٹھنا بیٹھنا سب اللہ کو پسند آیا، اور ساری دنیا میں اس کی خوشبو پھیل گئی، اور ساری دنیا میں ان کو ماننے والے بن گئے، اور ساری دنیا ان کی عزت کرنے والی بن گئی، اور آج بھی یہ حالت ہے کہ ان کا نام سکہ رائج الوقت کی طرح چل رہا ہے، سارے عالم میں چل رہا ہے، یہ کیوں چل رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے محبوب تھے، اور جو اللہ کا محبوب ہوتا ہے تو وہ ساری دنیا میں اس کا نام چلا دیتا ہے، اس کی محبوبیت ہر جگہ پھیلا دی جاتی ہے، اور اس کی خوشبو پھیلتی چلی جاتی ہے، سارے لوگ اس کو سونگھتے ہیں اور ان کو مزا آتا ہے، جس طرح کوئی خوشبو لگائے اور خوشبو اچھی ہو تو لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں کہ یہ خوشبو کہاں سے آئی؟ اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی جب آدمی اچھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خوشبو پھیل جاتی ہے، جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں اگر وہ صرف بیٹھے ہوں اور بات بھی نہ کریں، کچھ کام بھی نہ کریں تب بھی خوشبو آتی ہے، ان کے پاس سے خوشبو نکلتی ہے، جو ساری مجلس میں پھیل جاتی ہے اور اس کا فائدہ پہنچتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ اچھی نیتیں رکھیں، اچھے کام اچھی طرح ادا کریں، ہمارے دل صاف ہوں، اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ہمارا سماج اچھا ہوگا، گویا ہمارے اور آپ کے اچھے ہونے سے پورا محلہ اچھا ہو جائے گا، پورا گاؤں اچھا ہو جائے گا، اور لوگ اس اچھائی کی مثال بھی دیں گے، جیسے: زمین اچھی ہوتی ہے تو لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، کہتے ہیں یہ اوبڑ کھابڑ زمین ہے، یہ بنجر زمین ہے، یہاں کچھ نہیں ہوتا، اور جو اچھی زمین ہوتی ہے، وہیں کاشت ہوتی ہے، اسی طرح جب ہم سب اچھے ہو جائیں گے تو ہمارے پھل بھی اچھے ہو جائیں گے، یعنی ہمارے بچے بھی اچھے ہو جائیں گے ہماری بیویاں بھی اچھی ہوں گی، ہمارے گھر کا ماحول بھی اچھا ہوگا، ہمارے باہر کے معاملات بھی اچھے ہو جائیں گے، اور رفتہ رفتہ ہمارا سماج امن و سکون کا ایک گہوارہ بن جائے گا، جس میں زندگی گذارنے کا حقیقی لطف نصیب ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حقیقی مزا دل سے شروع ہوتا ہے، اگر دل بدمزا ہے تو ظاہری مزا کارگر نہیں ہو سکتا، جس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ کنوئیں کے اندر کا جو پانی ہوتا ہے وہ گرمی میں ٹھنڈا اور جاڑے میں گرم ہوتا ہے، اور جو پانی باہر کا ہوتا ہے تو گرمی میں نہایت گرم اور جاڑے میں نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ پانی اسٹاک کیا ہوتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے، ایسے ہی جب حقیقی سکون ہوتا ہے تو پہلے دل میں آتا ہے، اور جب دل سکون پاتا ہے تو حقیقی مزا نصیب ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، اگر انسان کا دل صاف ہے، اور تزکیہ سے معمور ہے تو ہر ایک سے ملتے وقت اس کیفیت میں اضافہ ہوگا، اور کدورت و نفرت جیسی رذیل عادتوں سے دوری پیدا ہوگی، لیکن آج صورت حال بالکل برعکس ہے، آج قہقہے ہیں جو صرف تماشے ہیں، لوگ ایک دوسرے سے بڑے پرتپاک طریقہ پر ملتے ہیں، لیکن اندر کی صورت حال ناگفتہ بہ ہوتی ہے، اس کا بنیادی راز یہی ہے کہ دل اچھا نہیں ہے، اس کا محور غیر فطری چیزیں ہیں، حالانکہ اگر دل اچھا ہوتا ہے تو ہر چیز اچھی ہوتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب اپنے کو اچھا کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، ہم اپنا عقیدہ اچھا کریں، اپنی عبادت اچھی کریں، اپنے معاملات اچھے کریں، اپنے تعلقات اچھے کریں، اپنا سماج اچھا کریں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنی ہر چیز کو اچھا کریں، ہم جتنا اچھا کرتے چلے جائیں گے، اتنے ہی اچھے ہوتے چلے جائیں گے، جس طرح ہم ایک پھول لگائیں، دوسرا پھول لگائیں تو گلدستہ ہو جائے گا، اور پھر گلدستہ پر گلدستہ لگائیں، اور چمن کو پھیلاتے چلے جائیں، اسی طرح ہمارا پورا گاؤں، پورا شہر، پورا ملک گل و گلزار ہوتا چلا جائے گا۔

افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارا ایمان نہایت کمزور ہو چکا ہے، ہمارے دل کی کیفیات ایمانی تقاضوں کے بالکل خلاف ہو گئی ہیں، آج ہم عمل صالح کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، نہ ہمارے اندر کی نیت اچھی ہے اور نہ باہر کے اعمال درست ہیں، جب کہ عمل صالح کی صحیح تعریف یہی ہے کہ وہ ظاہراً و باطناً اچھا ہو، تب وہ صالح ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عمل کے مطابق ہو تو وہ عمل صالح ہے، ورنہ نہیں ہے، اگر ہم صحیح طور پر اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اعمال ہیں مگر روح سے خالی، اور ہر شخص کی کوششوں کا محور وقتی کامیابی کا حصول ہے نہ کہ ابدی سعادت!

ایثار و مواسات کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ایثار کا اعلیٰ نمونہ:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹) (اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں)

اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ مہمان آئے، آپ نے اپنے گھروں میں پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ سب جگہ سے یہی جواب آیا کہ اللہ کے نام کے سوا اس وقت گھر میں کچھ نہیں ہے، ہم لوگ خود فاقہ سے ہیں، رات کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مسجد میں اعلان فرمایا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں، آج رات کون ان کی میزبانی کرے گا؟ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں، ان کو میں اپنے گھر لے جاؤں گا، اور انہوں نے یہ تحقیق بھی نہیں کی کہ میرے گھر میں کچھ کھانا ہے یا نہیں، انہوں نے سوچا بڑی سعادت کی بات ہے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے مہمان کو اپنے گھر لے جاؤں، لہٰذا وہ ان مہمان کو گھر لے گئے، اور بیوی سے جا کر پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا: کھانے کو کچھ نہیں ہے، صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا بچا رکھا ہے، صحابی رسول نے کہا: اب میں رسول اللہ ﷺ کے مہمان کو لے آیا ہوں، اس لیے وہ کھانا انہیں کو کھلانا ہے، لہٰذا تم بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلا دو، اور بچوں کا کھانا اللہ کے رسول ﷺ کے مہمان کو کھلا دو، اور چونکہ ہمیں بھی ساتھ بیٹھنا ہوگا تو ایسا کریں گے کہ جب کھانا شروع ہوگا تو چراغ اس طرح بجھا دیں گے کہ جیسے ہوا سے بجھ گیا ہو، اور بس اپنا ہاتھ منھ تک لے جائیں گے، اور کھانا نہیں کھائیں گے، اس طرح وہ لوگ کھالیں گے اور ہم نہیں کھائیں گے، لیکن ہم یہی ظاہر کریں گے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، تا کہ ان کا پیٹ بھر جائے، اس لیے کہ کھانا بہت کم ہے، اور اگر ہم بھی کھائیں گے تو پورا نہیں ہوگا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، مہمانوں کو دسترخوان پر بٹھایا، اور جب بچوں نے رونا شروع کیا تو ان کی ماں نے بہلا کر سلا دیا، جب بچے سو گئے تو کھانا لگایا اور خود بھی ساتھ میں بیٹھے، اور کسی بہانے سے چراغ گل کر کے کھانے میں شریک رہے اور ہاتھ اوپر نیچے کرتے رہے، مہمان نے سمجھا کہ یہ بھی کھا رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے ایک نوالہ بھی نہیں کھایا، جب صبح ہوئی تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اس واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی، آپ ﷺ نے ان کے حاضر ہوتے ہی خوش خبری سنائی اور مبارک باد دی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے وہ فاقہ سے ہوں، بھوک سے ہوں، ان کو کھانے کی ضرورت ہے، لیکن وہ خود نہیں کھا رہے ہیں، دوسروں کو کھلا رہے ہیں۔

حضرات صحابہ کا یہ غیر معمولی ایثار ہے، یہ نمونے اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ امت کسی درجہ میں ان کو اختیار کرے، یہ صرف واقعات نہیں ہیں کہ واقعات بیان کر دیے گئے اور کچھ لطف آیا، واقعات اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کو جو بالکل دوسرے رخ پر جا رہی ہے، اس کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

بگاڑ کا سبب:

اس وقت سماج میں جو مرض سب سے زیادہ ہے وہ خود غرضی کا ہے، ہم یہ نہیں دیکھنا چاہتے کہ دوسروں کو عزت ملے، دوسرے ترقی کریں، ہمیں حسد کی آگ کھانے لگتی ہے، یہاں تک ہوتا ہے

کہ پھر آدمی چین سے نہیں بیٹھتا اور اس آگ میں خود بھی جلتا ہے، اور دوسروں کو بھی عاجز کرتا ہے، دوسروں کو زک دینے کے لیے اور نیچا دکھانے کے لیے ایسی ایسی تدبیریں اختیار کرتا ہے کہ خود ہی ذلیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حسد کی آگ انسان کو اس طرح سے کھاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، لکڑی میں آگ لگ جائے تو لکڑی راکھ ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کے اندر حسد کی آگ بھڑک رہی ہو تو جل کر خاک ہو جاتا ہے، نہ اس کی صحت باقی رہتی ہے نہ ایمان، ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، لیکن خود غرضی کا مزاج ایسا ہے کہ آدمی پھر حلال و حرام نہیں دیکھتا، بس یہ دیکھتا ہے کہ ہمیں ہر چیز ملنی چاہیے، اور آج ساری دنیا میں اسی کا جھگڑا ہے، ہمارے سماج کے جھگڑوں کی بنیاد یہی ہے، وہ جھگڑے ادارے کے ہوں، کرسی کے ہوں، حکومت کے ہوں، یہاں تک کہ دینی ادارے اور دینی تحریکات کے جھگڑے ہوں، اللہ معاف کرے چونکہ ہماری تربیت نہیں ہوئی ہے، ہمارے اندر ایثار نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے کو اہل سمجھتے ہیں، اور ہمیں یہ خیال رہتا ہے کہ ہم کو یہ منصب ملنا چاہیے، ہم اس کے مستحق ہیں، اگر زبان سے نہیں بھی کہتے ہیں تو دل میں اس کو پالتے رہتے ہیں، اور جب عین وقت پر وہ چیز نہیں ملتی تو ایک آگ سی لگ جاتی ہے، اور وہ آگ کبھی انتقام کی شکل میں سامنے آتی ہے، اور کبھی نہ جانے کن کن شکلوں میں سامنے آتی ہے، اگر غور کریں تو یہی صورت حال ہمارے اداروں اور تحریکات کی ہے، اگر کوئی بھی کام میں تھوڑا آگے بڑھ گیا ہے تو ساتھ والے برداشت نہیں کر پاتے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مزاج دینی نہیں ہے، ہماری جو تربیت ہونی چاہیے وہ نہیں ہے۔

بگاڑ کا علاج:

صحابہ کے واقعات مختلف مناسبتوں سے اس لیے پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ نمونہ ہیں، ان سے آدمی فائدہ اٹھائے، اپنی زندگی کو بنانے کی کوشش کرے، اس کی ضرورت ہم سب کو ہے، آدمی دیکھے کہ ہمارے اندر کیا کیا چیزیں پل رہی ہیں، بعض امراض کینسر کی طرح ہوتے ہیں، جن کا آدمی کو پتہ نہیں چلتا، اور جب پتہ چلتا ہے تب تک اس کی جان ہلاکت میں پڑ جاتی ہے، اسی طرح انسان کو تب پتہ چلتا ہے جب اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، اس لیے پہلے سے دیکھنے کی ضرورت ہے، اپنا چیک اپ کرانے کی ضرورت ہے، اور یہ چیک اپ اللہ والوں کے یہاں ہوتا ہے، یہ ڈاکٹر ہیں، ان کے پاس بڑی مشینیں ہیں، اللہ نے ان کو ایمانی طاقت دی ہے، ان کی خدمت میں آدمی جاتا ہے، ان کی صحبت میں رہتا ہے، تو یہ دیکھ کر بتاتے ہیں کہ تمہارے اندر یہ امراض ہیں، اور بعض مرتبہ نہیں بھی بتاتے ہیں، جیسا کہ بعض مرتبہ آپ مریض سے بتا دیں کہ تم کینسر کے مریض ہو تو وہ مر جائے گا، لیکن اب ڈاکٹروں کا حال بہت برا ہے، یہ بھی خود غرضی کی بات ہے کہ ڈاکٹر منھ پر ہی کہہ دیتے ہیں کہ تم دو مہینے کے بعد مر جاؤ گے، ظاہر ہے اگر اس کو نہیں مرنا ہے تو مر جائے گا۔ لیکن اللہ والے حکماء ہوتے ہیں، وہ کبھی کبھی بتاتے بھی نہیں ہیں، لیکن روحانی امراض کا علاج کرتے ہیں، اور علاج کا طریقہ بتاتے ہیں، ذکر کے طریقے بتاتے ہیں، اور اس سے آدمی کے اندر تبدیلی پیدا ہوتی ہے، وہ صفات پیدا ہوتی ہیں جو مطلوب ہیں، اس لیے اپنا علاج کرانے کی ضرورت پڑتی ہے، ظاہر ہے ہمارے اندر امراض ہیں، کون مرض سے خالی ہے، ہم سب مرض میں مبتلا ہیں، اس کے لیے ضرورت پڑتی ہے کہ آدمی اللہ والوں کی خدمت میں جائے۔

ہماری حالت یہ ہے کہ نہ جانے کیسے امراض میں مبتلا ہیں، ہمیں خود ان کا پتہ ہی نہیں، اس کے لیے ہمیں علاج کرانا پڑے گا، جب اچھی صفات پیدا ہوں گی تو ہم آگے بڑھیں گے، ہمارا سماج آگے بڑھے گا، آج سماج کا بگاڑ اسی وجہ سے ہے کہ ہم اپنا روحانی علاج نہیں کراتے، اور پھر بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں، بڑے بڑے کام سپرد ہو جاتے ہیں، اور ہمارا علاج نہیں ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کام کو بھی بگاڑ دیتے ہیں، اور اس کے وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو ہونا چاہئیں، اس کے لیے ذرا کوشش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

دعوت فکر و عمل

عبد السبحان ناخدا ندوی

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (البقرة: ٤٤) (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو)

اس آیت میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے، صدیوں کی غلامی نے ان کے اندر بعض نا قابل علاج امرض پیدا کیے تھے، عام طور پر غلامانہ زندگی میں دو امراض اکثر پیدا ہوتے ہیں، ایک ''مکاری'' دوسرا ''حسد''۔ یہود ان دو امراض کا شکار رہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کی مسلسل محنت کے نتیجہ میں ان کے اندر بعض اچھے لوگ ضرور پیدا ہوئے لیکن عمومی مزاج حسد اور مکاری کا رہا، جو آپ ﷺ کے دور میں بھی برقرار رہا، یہ مزاج ان کے مذہبی طبقہ میں اور زیادہ پایا جاتا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی پستیاں حضرات انبیاء کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں تو اس کا علاج یہ کیا کہ مکر وفریب کے لبادہ میں اپنے آپ کو چھپا دیا، لوگوں میں اپنی بزرگی و بڑائی قائم رکھنے کے لیے وعظ و نصیحت کا بازار خوب گرم رکھا، لیکن ذاتی زندگی میں اس قدر چھید پیدا ہوئے کہ احکام الٰہی کی کوئی وقعت باقی نہ رہی، دعووں کے منافقانہ مزاج نے صدق و اخلاص کی خوشبو چھین لی، مزید برآں اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر غلط کام کو سند جواز بھی دی جانے لگی، فضول تاویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ چوپٹ کھول دیا، پوری قوم کو مکر و فریب کے مہیب غار میں دھکیل دیا اور بزعم خود مطمئن بھی ہو گئے کہ اپنے دعووں کے ذریعہ اللہ کی جنت بھی جیت لیں گے، اللہ کی طرف سے پھٹکار برسی کہ کتاب الٰہی کے ہوتے ہوئے اس طرح کی حرکتیں ہو رہی ہیں، آخر پستی و ذلت کی کون سی حد پر جا کر رک جاؤ گے؟ کیا اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ ایسی چیزوں سے مخلوق کی آنکھ میں تو دھول جھونکی جا سکتی ہے، خالق کائنات کا کیا کرو گے جو نگاہوں کی خیانت سے لے کر دلوں کے بھید تک جانتا ہے۔

افسوس کہ یہود کی یہ مذموم صفت مسلمانوں میں بھی در آئی، کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے، ظاہری لحاظ سے دیکھا جائے تو آج عالم اسلام میں اصلاح و ارشاد کے نام پر کسی قدر کوششیں ہو رہی ہیں، لیکن ان کے نتائج اس طرح کیوں بر آمد نہیں ہو رہے؟ اس کی ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ احتساب اور محاسبہ نفس کا مزاج جاتا رہا، ظاہر داری کی بے جان مصنوعی زندگی نے تمام باطنی اعلیٰ کیفیات چھین لیں، جہاں احتساب ہوتا بھی ہے وہاں بھی ضابطہ کی خانہ پری شاید زیادہ ہوتی ہو، وہ احتساب جہاں بندے اور خدا کے علاوہ کوئی تیسرا نہ ہو، اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

انسان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے پیمانے مختلف رکھتا ہے، یہ پہلی ٹیڑھی اینٹ ہے جس کے بعد پوری انسانی زندگی کی عمارت کا ٹیڑھا ہونا لازمی ہے، رسول ﷺ نے اس سلسلہ میں نہایت واضح ہدایات دی ہیں، ایک جگہ ارشاد ہے: ''تم میں کوئی مؤمن ہو ہی نہیں سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے سایہ کی طرف سبقت کرنے والے لوگ کون ہیں، صحابہ نے کہا: اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو حق دیا جاتا ہے تو وہ قبول کرتے ہیں (یعنی اپنا حق لیتے ہیں دوسروں کا نہیں، یا حق بات کو سیدھے سیدھے مان لیتے ہیں) جب حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اسے خرچ کرتے ہیں (یعنی کوئی ان سے ان کا حق چاہتا ہے تو بخوشی دے دیتے ہیں یا حق بات کہنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس میں پس و پیش نہیں کرتے) اور لوگوں کے لیے وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنے لیے کرتے ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ☆ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ .... لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے، جو اپنے لیے جب لوگوں سے ناپتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو ڈنڈی مارتے ہیں، کیا ان کو اس کا یقین نہیں کہ ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ایک غیر معمولی دن کے لیے جس دن تمام انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے)

ایک اور جگہ صاف صاف کہا گیا ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو)

منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: ﴿وَّیُحِبُّونَ أَن یُحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا﴾ (وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ان کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کیے ہی نہیں)

حضرت شعیب کی زبانی یہ کہا گیا: ﴿وَمَا أُرِیْدُ أَنْ أُخَالِفَکُمْ إِلَی مَا أَنْهَاکُمْ عَنْهُ﴾ (میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے پیچھے ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہو)

گویا یہ آیات و احادیث ایک حفاظتی حصار ہیں جس کے ذریعہ اس امت کے علماء کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اب اس کے بعد بھی کوئی یہود و بنی اسرائیل ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہے تو ایسوں کا کوئی علاج نہیں۔

آیت میں عتاب نیکی کا حکم کرنے پر نہیں بلکہ خود نیکی چھوڑ دینے پر ہے، جیسے کوئی کہے تم نمازی ہو کر فلاں غلط کام کرتے ہو، اس میں سرزنش غلط کام کرنے پر ہے نمازی ہونے پر نہیں، اور مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ایسے غلط کام کو چھوڑ دیا جائے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ غلط کام کرنے کے لیے نماز کو چھوڑا جائے۔

وأنتم تتلون الکتاب؛ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی کا علم حاصل ہونے کے بعد پھر حجت تمام ہوتی ہے، ایسے عالم کے لیے سوائے اس کے کہ وہ باعمل عالم بنے کوئی دوسرا راستہ نہیں، جاہل سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ علم آنے پر سنور جائے لیکن اگر عالم ہی بگڑ جائے تو اس کی درستگی کا کوئی اور ذریعہ نہیں، الا یہ کہ اپنے علم کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہوئے واپس پلٹ آئے۔

أفلا تعقلون؛ اس سے معلوم ہوا کہ عالم بے عمل بے عقل بھی ہوتا ہے، آخر اس سے بڑی بے عقلی کیا ہوسکتی ہے کہ دوسروں کے لیے تو جنت کے راستے ہموار کیے جائیں اور خود اپنے لیے جہنم کی آگ کو پسند کیا جائے۔

''رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس رات میری معراج ہوئی میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے پوچھا: جبرئیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ دنیا کے مقررین ہیں، جو لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے، حالانکہ یہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے تھے؟''

''حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا تو اس کے پیٹ کی آنتیں باہر کو نکل پڑیں گی، ان ہی آنتوں کو لیے ہوئے وہ چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کو لیے چکر کاٹتا ہے، اہل جہنم اس کے پاس آکر کہیں گے ارے فلاں! یہ تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم بھلی باتوں کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ (پھر یہ سزا کیسی؟) وہ کہے گا: میں اچھائیوں کا حکم تو کرتا تھا لیکن خود اچھے کام نہیں کرتا تھا، برائیوں سے روکتا ضرور تھا لیکن خود ان برائیوں میں ملوث رہتا تھا۔''

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حکم کو جان لینے کے بعد پھر اس کی تعمیل نہ کرنا بڑا گناہ ہے، عالم کی نافرمانی جاہل کی نافرمانی سے بڑھ کر شدید ہے اور اللہ کو زیادہ ناپسند ہے، رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ نے کسی کو فائدہ نہ پہنچایا''، یعنی جو عالم بےعمل نکلا۔

دوسروں کو اچھائی کی تلقین کرنا اور خود برائی میں ملوث رہنا یہ صفت ہر دور میں باعث ننگ و عار سمجھی گئی ہے، عربی شاعر کہتا ہے:

لا تنه عن خلق وتأتي مثله
عار عليك اذا فعلت عظيم

(ایسا نہ ہو کہ تم کسی کو غلط کام سے روکو اور خود ویسا ہی کام کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو یہ نہایت درجہ شرمندگی کی بات ہے)

تعقلون؛ انسان اپنی عقل سے بہت ساری باتیں سمجھتا ہے، اس لیے چیزوں کو ٹھیک ٹھیک پہچاننے کے لیے ''عَقَلَ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ عقل انسانی کی مثال آنکھ کی سی ہے، انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اور عقل سے سمجھتا ہے، دیکھنے کے لیے صرف آنکھ کا ہونا کافی نہیں بلکہ روشنی کا ہونا بھی ضروری ہے، اسی طرح عقل کے لیے کتاب اللہ کی رہنمائی بھی ضروری ہے، وہی عقل انسان کے لیے کامیابی کی ضمانت ہے، جو کتاب اللہ کی روشنی میں کام کرے، بغیر اللہ کی ہدایت کے تنہا عقل سے کام لینا ویسے ہی ہے جیسے بغیر روشنی کے آنکھوں کا استعمال کرنا۔

جنازے کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

میت کے پس ماندگان سے تعزیت: میت کے پس ماندگان کی تعزیت بڑے ثواب کا کام ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، اسے مصیبت زدہ کے بقدر اجر ملے گا۔(ترمذی، جنائز، باب ما جاء فی أجر من عزی مصابا، وابن ماجة، جنائز)

تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ تعزیت کرنے والا مصیبت زدہ سے کہے:"أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ، وَأَحْسَنَ عَزَاءَكَ، وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ"(اللہ تعالیٰ تمہارا ثواب بڑھائے، تمہاری اچھی تعزیت کرے، اور تمہاری میت کی مغفرت کرے) یا یہ کہے:"إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى" (جو لے لیا وہ بھی اللہ کا ہے، جو دیا وہ بھی اسی کا ہے، اور اس کے پاس ہر چیز کی ایک متعین مدت ہے)
(مسلم، نسائی، شامی:۱/۶۶۵)

تعزیت کے اوقات: جس گھر میں غمی ہو، ان کے یہاں موت کے تین دن بعد تک ایک بار تعزیت کے لیے جانا مستحب ہے، اس میں بھی مستحب پہلا دن ہے، تعزیت کے لیے جانے والے کو چاہیے کہ میت کے متعلقین کو صبر کی تلقین کرے، صبر کے فضائل اور اس کا اجر و ثواب سنائے اور میت کے لیے دعاء و مغفرت کرے۔
(شامی:۱/۶۶۵)

تین دن کے بعد تعزیت کے لیے جانا، یا دوبارہ تعزیت کے لیے جانا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی حادثہ کے وقت موجود نہیں تھا، چاہے تعزیت کرنے والا یا وہ شخص جس سے تعزیت کرنی ہے، تو تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے۔ (ہندیہ:۱/۱۶۷، شامی:۱/۶۶۵)

اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت: میت کے گھر والوں کی طرف سے پہلے دوسرے یا تیسرے دن دعوت کرنا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے، اس لیے کہ دعوت خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ غمی کے موقع پر۔ (شامی:۱/۶۶۴، ہندیہ:۱/۱۶۷)

ایصال ثواب: ایصال ثواب جتنا چاہے کرے، اور اللہ جتنا توفیق دے میت کے ایصال ثواب کی نیت سے فقراء پر صدقہ کرے، لیکن اگر کوئی خاص چیز رسم بن چکی ہو، یا اس میں ریاکاری کا شائبہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، علامہ شامی نے اس کی مثال قرآن خوانی کے موقع پر کھانے کی تیاری، اور مواسم میں قبر کے پاس غلہ لے جانے سے دی ہے۔ (شامی:۱/۶۶۴، ہندیہ:۱/۱۶۷)

اسی پر بعض علاقوں کی اس رسم کو بھی قیاس کیا جائے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ غلہ قبرستان لے جاتے ہیں، یا کچھ روٹیاں گڑ اور گھی لے جاتے ہیں، جس کو توشہ کہا جاتا ہے، پھر اس کو قبرستان میں اکٹھا ہو جانے والے فقراء نیز گورکن وغیرہ پر تقسیم کرتے ہیں کہ اولاً اس میں ریا کا شائبہ ہے، مزید یہ کہ وہاں اس کو لینے کے لیے پیشہ ور فقراء آجاتے ہیں، لہٰذا قبرستان لے جانے کے بجائے گھر ہی میں مستحقین کو دینے کا اہتمام کرے تاکہ ان خرابیوں سے بچا جا سکے۔

جب حمل ساقط ہو جائے: اگر حمل ساقط ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے اعضاء بالکل نہ بنے ہوں تو نہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ کفن، نہ ہی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، نہ باقاعدہ قبر بنائی جائے گی، بلکہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا جائے گا۔

اور اگر کچھ اعضاء بن گئے ہوں اور کچھ نہ بنے ہوں تو صحیح یہ ہے کہ اس کا نام رکھا جائے، غسل دلایا جائے، اور کسی کپڑے میں لپیٹ کر نماز کے بغیر دفن کر دیا جائے۔

اور مکمل اعضاء بن گئے ہوں، لیکن پیدائش کے وقت اس میں زندگی کی کوئی علامت نہ ہو تب بھی یہی کہا جائے گا۔
(شامی:۱/۶۵۴-۶۵۵، ہندیہ:۱/۱۶۳)

جب مکمل اعضاء بن گئے ہوں: اگر بچہ کے

اعضاء مکمل بن گئے تھے، پھر پیدائش کے وقت بدن کا اکثر حصہ نکلتے وقت زندہ تھا، تو اس کا حکم انہیں بچوں کی طرح ہوگا جن کی موت پیدائش کے بعد ہوتی ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ ان کا کفن دفن سنت کے مطابق کیا جائے، لڑکے کو تین کپڑوں اور لڑکیوں کو پانچ کپڑوں کا کفن دیا جائے، لیکن یہ بھی جائز ہے کہ لڑکے کو صرف ایک کپڑا دیا جائے اور لڑکی کو صرف دو کپڑے دیے جائیں، ان کا نام بھی رکھا جائے گا اور باقاعدہ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا۔

اور اگر اکثر بدن باہر آنے سے پہلے مرگیا تو اس کے احکام مردہ پیدا ہونے والے بچہ جیسے ہوں گے جن کو اہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ سر کی طرف سے پیدائش ہو تو سینہ تک نکل آنے کو، اور پیر کی طرف سے پیدائش ہو تو ناف تک نکلنے کو اکثر کا حکم لگایا جائے گا۔

(شامی: ۱/۶۵۴، احکام میت: ۱۱۴)

جب مردہ عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ محسوس ہو: کسی حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے اور پیٹ کی حرکت یا کسی اور یقینی ذریعہ سے معلوم ہو رہا ہو کہ بچہ زندہ ہے تو اس بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکال لیا جائے۔ (شامی: ۱/۶۶۲) پھر وہ بچہ اگر مر جائے تو اس کے احکام گزشتہ تفصیلات کے مطابق ہوں گے۔

قبروں کی زیارت: مردوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا یعنی ان کو جا کر دیکھنا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/۶۶۵) اس لیے کہ حضرت بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، تو اب ان کی زیارت کیا کرو۔ (مسلم) ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ: اس لیے کہ قبریں دنیا کی بے رغبتی پیدا کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(ابن ماجة، باب ما جاء فی زیارة القبور)

لیکن یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے متعلق آنحضور ﷺ سے ممانعت منقول ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

مرد کسی بھی دن قبروں کی زیارت کے لیے جا سکتے ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار جانے کا معمول بنائیں، اور زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن جائیں۔ (شامی: ۱/۶۶۵) اس لیے کہ محمد بن نعمان حدیث مرفوع میں بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کرے تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی، اور اسے "بَارٌّ" یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا لکھا جائے گا۔

(بیہقی شعب الایمان مرسلا)

زیارت قبور کا طریقہ: ۱- جب قبرستان میں داخل ہو تو تمام اہل قبور کی نیت کرتے ہوئے ان کو سلام کرے، اس سلام کے مختلف الفاظ احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے، ذیل میں سلام کے کچھ الفاظ لکھے جا رہے ہیں:

"السلام علیکم دار قوم مؤمنین وأتاکم ما توعدون غدا مؤجلون، وانا ان شاء اللہ بکم لَلاحقون" (مسلم) (اے جماعت مؤمنین کے گھر میں رہنے والو! تم پر سلامتی ہو، جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا وہ تمہارے پاس کل جلد آ جائے، اور ہم ان شاء اللہ تم لوگوں سے آ ملنے والے ہیں)

مسلم شریف ہی میں دوسرے الفاظ سے بھی سلام ہے: "السلام علی أهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المتقدمین والمتأخرین، وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون"

ترمذی میں الفاظ اس طرح ہیں: "السلام علیکم یا أهل القبور یغفر اللہ لنا ولکم، أنتم سلفنا ونحن بالأثر"

۲- سلام کے بعد قبلہ کی طرف پشت کر کے اور قبر کی جانب منہ کر کے جتنا ہو سکے قرآن شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہنچائے، مثلاً: سورۂ فاتحہ، سورۂ یٰس، سورۂ تبارک الذی، سورۂ الہٰکم التکاثر، یا قل ہو اللہ احد گیارہ بار یا سات بار یا جس قدر آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ کر دعا کریں کہ یا اللہ اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچا دیجیے۔

(شامی: ۱/۶۶۵-۶۶۶، احکام میت: ۹۷)

۳- میت کے لیے دعاء مغفرت بھی کرنی چاہیے، آنحضرت ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ قبروں کی زیارت اس لیے بھی فرماتے تھے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

(مشکاة، جنائز، باب زیارة القبور: ۱۵۴)

..................(باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر)

اعمال صالحہ پر مداومت

محمد امین حسنی ندوی

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی نے جہاں بھی ایمان کا تذکرہ کیا ہے وہاں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ اعمال صالحہ کا اللہ کے ہاں کیا مرتبہ ہے اور اعمال صالحہ کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا ہے۔

عن أم المومنين عائشة رضى الله عنها أنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أحب الاعمال الى الله تعالى أدومها وان قل۔ متفق عليه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ کو سب سے زیادہ وہ اعمال پسند ہیں جو مستقل کیے جائیں چاہے وہ کم ہی ہوں۔

ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا! أی العمل كان أحب الى النبى صلى الله عليه وسلم قالت الدائم ۔ رواہ البخاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند تھا فرمایا: جو پابندی کے ساتھ کیا جائے۔

اعمال صالحہ میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات ہی نہیں ہیں بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا جو حق بتایا ہے اس کا وہ حق دینا ضروری ہے، ماں باپ کی اطاعت کرنا، حسن سلوک کرنا، رشتہ داروں، قرابت داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان کی فکر اوران کا خیال رکھنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنا ان کے ساتھ نرمی کرنا، یہ سب شریعت نے بتادیا ہے، کوئی چیز بھی شریعت نے مخفی نہیں رکھی اور قرآن مجید نے ایمان اور عمل صالح پر کتنا اجر رکھا ہے یہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے، ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (المائدۃ/۹) (اللہ نے ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو مغفرت اور اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْن﴾ (نور/۵۵)

(اللہ نے ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں ضرور خلافت سے نوازے گا جس طرح ان سے پہلے (اہل حق) کو خلافت دی، اور ان کے دین کو جس کو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اقتدار عطا کرے گا، اور ان کی خوف اور بدامنی (کی حالت) کو امن وسلامتی سے بدل دے گا، (ان پر ذمہ داری ہے) کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور جو بھی اس کے بعد کفر کریں گے، وہ باغی اور سرکش ہوں گے۔

دنیا میں غلبہ اسی بنیاد پر ملے گا بنی اسرائیل کو زمین میں خلافت ملی تھی وہ اسی بنیاد پر ملی تھی لیکن جب انہوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑا تو خلافت ان سے چھین لی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین سزا سے دوچار کیا۔

ایمان اور عمل صالح یہ دونوں لازم وملزوم ہیں جہاں ایمان ہوگا وہاں عمل صالح بھی ہوگا اور جہاں عمل صالح ہوگا وہاں ایمان بھی ہوگا ﴿وَالْعَصْرِ☆إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ☆إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (والعصر) (زمانہ کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین

کی) یہاں پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کو مشروط کیا گیا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرۃ/۲۷۷) (بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے بھلے کام کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

انسان کے اندر اللہ تعالی نے بہت سی خصوصیات رکھی ہیں اس کے اندر خیر کی طرف بڑھنے کی طاقت بھی رکھی اور شر کی طرف بڑھنے کی صلاحیت رکھی ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً﴾ (الدھر/۳) (ہم نے صحیح راستہ اسے بتادیا ہے اب خواہ وہ احسان مانے یا انکار کردے) اللہ تعالیٰ نے راستہ دکھادیا اب چاہے انسان شکر گذار بنے اور چاہے ناشکرا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتادیا کہ ماننے پر کن نعمتوں سے مالامال کیا جائے گا ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً☆ عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيراً﴾ الدھر/۵۔۶)

(یقیناً نیک لوگ ایسے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی ایسے سے چشمے سے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے وہ خوداسے (جہاں سے چاہیں گے) جاری کرلے جائیں گے)

اور انکار پر جو پکڑ ہے وہ بھی واضح کردی ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالاً وَسَعِيراً﴾ یقیناً ہم نے انکار کرنے والوں کے لیے بیڑیاں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے)

اللہ تعالی نے یہ بھی بتادیا کہ اسی دنیا میں تم کو آخرت کی تیاری کرنا ہے اور اس تیاری کا مطلب یہ نہیں کہ تم یہ سمجھو کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو آخرت کی تیاری ہوگی اسی لیے اللہ نے انسان کو یہ نہیں بتایا کہ اس کو موت کب آئے گی اگر کسی کا راستہ سیدھا ہے اور وہ ہمیشہ خیر کو اختیار کرتا ہے تو موت بھی اسکی اچھی ہوگی اگر وہ روزانہ شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، سود کھاتا ہے، رشوت لیتا ہے، حرام مال کھاتا ہے، کسی کی زمین ناجائز طریقہ سے دبا رکھی ہے، کسی کا دل دکھایا ہے یا اور کوئی غلط کام کیا ہے تو کیا بعید ہے وہ اپنے ان کاموں کے ساتھ اس دنیا سے جائے، حدیث میں آتا ہے:

عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یبعث کل عبد علی ما مات علیه" (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر بندہ اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت ہوئی)

جو بھی اطاعت پر اپنی زندگی گذارے گا اللہ کی وحدانیت وصمدانیت کا اقرار کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کرے گا شریعت پر عمل پیرا ہوگا بھلائی کی تلقین کرے گا برائی سے روکے گا ہر اچھے کام میں سبقت کرے گا اور ہر برے اور غلط امور سے اپنے کو بچائے گا تو انہیں بنیاد پر کل قیامت کے دن اللہ کے ہاں حاضر ہوگا:

عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم فوالله الذی لا اله غیره ان احدکم لیعمل بعمل اهل الجنة حتی مایکون بینه و بینها الا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فیدخلهاوان احدکم لیعمل بعمل اهل النار حتی ما یکون بینه و بینهاالا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل الجنة فیدخلها (متفق علیه)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم میں جب کوئی جنت والا کام کرتا ہے یہاں تک اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھ دیا جاتا ہے اور وہ جہنم والوں کا کام کرنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کا عمل کرتا ہے یہاں تک وہ جہنم کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے تو اس کے لیے لکھ دیا جاتا ہے اور وہ جنت والا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل کردیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات صاف ہوگئی کہ انسان چاہے جتنے اچھے اعمال کرے پھر بھی اس کو اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں پر خوب تنقید کرتے ہیں، فلاں جھوٹ بولتا ہے، فلاں چوری کرتا ہے، فلاں سود کھاتا ہے، فلاں کفریہ عمل کررہا ہے اور اپنے بارے میں ان کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ہماری ابھی زندگی ہے خدانہ کرے کوئی ایسا کفریہ کام ہوجائے جس کی بنیاد پر جہنم میں پھینک دیا جائے کسی کے تعلق سے فیصلہ کرنے

میں جلدی کرنا اور پھر اس کے لیے کوئی بھی ایسا فیصلہ کرنا جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو اپنے لیے نقصان کی بات ہے کیوں کہ ہم ظاہری اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ رازوں کا جاننے والا ہے "یعلم السر واخفی" "اس سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ مستقبل بھی جانتا ہے جیسے ماضی اور جیسے حال ہر انسان کو پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے آج دوسروں کی فکر کرنے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے دوسروں کی فکر کرنا اچھی بات ہے لیکن اپنی فکر کے ساتھ ایسا نہ ہو کہ ہم چوری کریں اور دوسروں کو چوری سے روکیں ہم سود کھائیں دوسروں کے سامنے سود کی ممانعت بیان کریں اسی لیے ہماری زبان میں وہ تاثیر نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانوں میں تھی۔

عن سھل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما الاعمال بالخواتیم "اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے) جیسا خاتمہ ویسا انجام کوئی بھی انسان اپنی عبادتوں اپنی محنتوں اور اپنے ذکرو اذکار یا اپنے کسی بھی خیر کے کام پر غرور نہ کرے کیوں کہ کسی کو نہیں معلوم موت کب آئے گی ہمارے سلف میں اس کا بہت اہتمام تھا ہر شخص ڈرتا تھا کہ کہیں موت آنے سے پہلے ایمان نہ چلا جائے ہمارے اسلاف ہر وقت استقامت کی دعا مانگتے تھے کیوں کہ استقامت ہی اصل چیز ہے حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب (جامع العلوم والحکم) میں تحریر کرتے ہیں! اصل استقامت دل کی استقامت ہے اگر دل اللہ کی وحدانیت وصمدانیت پر جم گیا اور پورے طریقے سے اس کے اندر یہ بات بیٹھ گئی تو باقی اعضاء وجوارح بھی اپنا کام صحیح طریقے سے کریں گے اس لیے کہ دل اصل ہے دل کی حیثیت بادشاہ کی ہے، اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله ألا وهی القلب "سن لو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح تو پورا جسم صحیح اور اگر وہ خراب تو پورا جسم خراب اور وہ دل ہے)

اصل بنیاد دل ہے دل کی اصلاح ضروری ہے ہمارے اکابرین اصلاح قلب کے لیے اولیاء اللہ کے پاس جاتے تھے۔

ہم سب کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ایمان کوئی جاگیر نہیں کہ مل گیا بس اب اس کی فکر کرو یا نہ کرو وہ تو ملا ہی رہے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس کی دعا کرتے تھے:

"اللھم یا مثبت القلوب ثبت قلبی علی دینك ،اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك ۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بادروا بالأعمال فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومنا ویمسی کافرا، ویمسی مومنا ویصبح کافرا، یبیع دینه بعرض من الدنیا (مسلم) نیک عمل کرنے میں جلدی کرو ان فتنوں سے پہلے پہلے جو تاریک رات کے حصہ کی طرح ہونگے، صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر، دنیا کے چند ٹکڑوں کی خاطر وہ اپنا دین بیچ گا۔

بقیہ: جنازے کے احکام

۴-بعض فقہاء کے نزدیک عورتوں کا قبرستان جانا مطلقاً ناجائز ہے، بعض کے نزدیک بوڑھی عورت اگر بغیر زیب و زینت کے جائے، خوشبو نہ لگائے پردہ کا خیال رکھے اور اس بات کا یقین ہو کہ کوئی خلاف شریعت کام نہ کرے گی جیسے رونا پیٹنا یا بدعات و رسوم انجام دینا تو جا سکتی ہے۔

(شامی:۱/۶۵،احکام میت:۹۷-۹۸)

ایصال ثواب کا طریقہ: ایصال ثواب ایک طرح کی دعا ہے، جس طرح آدمی نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا استغفار کرتا ہے اور اللہ کی رحمت سے ان کی قبولیت کی امید رکھتا ہے، اسی طرح جب وہ کوئی نیک کام کرے جیسے صدقہ، قرآن کی تلاوت، نفل روزے اور نماز، تسبیحات اور کلمہ وغیرہ کی اسے توفیق ہو تو اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! ان اعمال کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیجیے، تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا، ایصال ثواب کی حقیقت بس اتنی ہے، بقیہ اس کے لیے نہ کوئی مخصوص دن مقرر ہے، نہ جگہ نہ مخصوص عبادت، شریعت نے ایصال ثواب کو بہت آسان رکھا تھا، لوگوں نے اس میں رسمیں بڑھا کر اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ (شامی:۱/۶۶۶،احکام میت:۹۸)

توکل علی اللہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ أَلْفاً مِنْ غَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (صحيح البخاري: ۵۷۰۵)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر نہیں کراتے اور بدشگونی نہیں لیتے، اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

فائدہ:- اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ اہل ایمان کا امتیازی وصف ہے، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا ایک لازمی جزء ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ پر اعتماد کی تعلیم وتلقین اور اس کے فوائد کا جابجا ذکر ہے، انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اللہ پر مکمل اعتماد کی اعلیٰ مثال ہیں، اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بھی اللہ پر سو فیصد اعتماد سے عبارت ہیں، غزوۂ احد کے موقع پر صحابہ کرام کے غیر معمولی اعتماد کی گواہی قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے: ﴿الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳) (وہ لوگ کہ جن سے کہنے والوں نے کہا کہ (مکہ کے) لوگوں نے تمہارے خلاف بڑی جمعیت اکٹھا کر رکھی ہے تو ان سے ڈرو تو اس چیز نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بولے ہمیں تو اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)

اللہ پر اعتماد انسان کی ترقی، مایوسی سے نجات اور نیک اعمال سے مناسبت کا ایک اہم راز ہے، اس کی بدولت مشکل حالات میں بھی انسان اقدام کی ہمت رکھتا ہے، اور ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے، خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اخروی اعتبار سے درجات بلند ہوتے ہیں، اور انسان سنجیدہ طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے سلسلہ میں بعض امور کا لحاظ بہت ضروری ہے، ورنہ بسا اوقات انسان اسباب پر غور نہیں کرتا اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے، سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان کسی بھی کام کے شروع سے قبل اس پر خوب غور کر لے، اور اس کے جائز ناجائز کی تمام صورتوں کا جائزہ لے لے، اور غور کرنے والے کام میں جتنا حصہ انسان کے اختیار میں ہو، اس میں ہر ممکنہ تدبیر اور مشورہ کی راہ اپنائے، اور جو حصہ اختیار سے باہر ہو اس پر تشویش میں مبتلا نہ ہو۔ پھر اللہ کی ذات پر پختہ اعتقاد رکھے اور نتیجہ اچھا صادر ہونے کی صورت میں اللہ کا شکر ادا کرے، اس لیے کہ انسان کے ذریعہ اختیار کی گئی تدابیر ومشورے اسی کے عطا کردہ ہیں، اور اگر نتیجہ برعکس ہو تو پھر صبر واستقامت سے کام لے، اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مثبت اور بے شمار جزا آخرت کے دن عطا فرمائے گا۔

اللہ پر بھروسہ کی تشریح موجودہ دور میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تمام مادی اسباب ووسائل سے قطع نظر اللہ پر بھروسہ ہی ایمان کا تقاضا ہے، اور اسی طرح اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی بھی کامیابی کے حصول میں انسان کی اپنی محنت اور اسباب و وسائل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، لیکن قرآن وحدیث کی تعلیمات سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو جائز حد تک مادی اسباب و وسائل ضرور اختیار کرنا چاہئیں اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، تاکہ کوئی ایسی ناگہانی بات نہ پیش آجائے جو ان وسائل کی حیثیت کو ختم کر دے، مشہور حدیث ہے کہ پہلے اونٹ کو کھونٹے سے باندھو اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھو، اس کا یہی مفہوم ہے کہ انسان مادی اسباب کو صرف وسیلہ کی حد تک استعمال کرے اور اصل اعتماد اللہ کی ذات پر رکھے، کیونکہ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے امت کی ایک بڑی تعداد جنت میں داخل ہونے والی وہ بتائی ہے جو اپنے رب پر بھروسہ کرتی ہوگی، اور منتر و بدشگونی نہیں لیتی ہوگی، حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان وہمی چیزوں کا شکار بھی ہوگا اور وہ انہیں پر بھروسہ کرے گا، جن کے نتیجہ میں رب پر اعتماد کی رسی ڈھیلی پڑ جائے گی، اور اگر غور کیا جائے تو آج ایک بڑی تعداد اللہ پر اعتماد اور اسباب سے صرف نظر انہیں موہوم چیزوں میں مست ہے۔

شام - ایک مشترکہ محاذ جنگ

محمد نفیس خاں ندوی

شام میں جاری خانہ جنگی انسانی تباہی کے ساتویں سال میں داخل ہوچکی ہے، حسین وخوبصورت ملک کھنڈر بن چکا ہے، لاکھوں کی تعداد میں زندگیاں تباہ ہورہی ہیں، بچے وبوڑھے، مرد وعورت سب کے سب بلاتفریق جنس وعمر موت کے گھاٹ اتارے جارہے ہیں، انسانی تباہی کی جو تصویریں سامنے آرہی ہیں انھیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ملبوں کے نیچے دبے ہوئے لوگ، بکھرے ہوئے انسانی اعضاء، اور معصوم بچوں کی کچلی ہوئی لاشیں انسانیت کو شرمسار کررہی ہیں، عالمی ادارہ یونیسیف (UNICEF) نے مسلسل ہلاکتوں اور تباہیوں پر کہا تھا کہ کسی لغت میں وہ الفاظ نہیں کہ جو اس دکھ کا اظہار کرنے کی طاقت رکھتے ہوں، اس لیے ہم احتجاجاً خالی اعلامیہ جاری کرتے ہیں۔ ان تمام حالات میں سب سے بڑا مجرمانہ کردار بشار انتظامیہ کا ہے اور پھر وہ عالمی طاقتیں مجرم ہیں جنھوں نے اپنی ''پراکسی جنگ'' (Proxy War) کے لیے شام جیسے حسین وزرخیز ملک کو تختۂ مشق بنایا۔

جس وقت مشرق وسطی میں انقلابات کی لہر چلی تھی تو اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ برسوں سے پسے ہوئے شام کے مظلوم باشندے بھی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، شام وہ آخری ملک تھا جہاں عوام نے علم بغاوت بلند کیا تھا، لیکن شام کی یہ بغاوت نہ صرف ناکام ہوئی بلکہ عالمی طاقتوں کو ایک نیا جنگی محاذ مل گیا، اور بین الاقوامی طاقتیں اپنے اپنے مفاد کی خاطر اس جنگ میں کود پڑیں۔

روس کو اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ اگر شام میں جاری انقلاب کامیاب ہوا اور امریکہ نواز عناصر حکومت میں آگئے تو طرطوس کی بندرگاہ کے علاوہ یوکرین اور کرائمیا کے حالات بھی اس کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے، امریکہ کو اس بات کا ڈر ہے کہ اگر اسلام پسند حکومت میں آگئے تو اسرائیل کے خلاف خطرہ کی گھنٹی بج جائے گی، ایران کو خوف لاحق ہوا کہ اگر بشار حکومت اقتدار سے ہٹتی ہے تو عراق سے لے کر لبنان تک جو شیعہ کریسینٹ قائم ہوا ہے اس میں بہت بڑا شگاف پڑ جائے گا، عرب ممالک کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ایران نواز حکومت قائم رہتی ہے تو آنے والے دنوں میں اس کی مداخلت کا دائرہ بڑھتا ہی جائے گا جیسا کہ یمن میں ہوا۔ ترکی کو کردوں کی جدوجہد نے فکرمند کردیا کہ اگر شام میں امریکہ نواز حکومت قائم ہوئی تو وہ کردوں کا ساتھ دے گی جس کے بعد ترکی کو کرد علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر القاعدہ یا داعش جیسے گروپ کو کامیابی ملتی ہے تو پھر ان حکومتوں کے خلاف ایک نیا محاذ جنگ کھل جائے گا، غرض ہر کوئی اپنے اپنے مفاد کی جنگ لڑنے کے لیے شام کی خانہ جنگی میں کود پڑا جس کا خمیازہ وہاں کے باشندوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

شامؔ قدرتی دولت سے مالامال ایک سرسبز وشاداب ملک تھا جس کا شمار انسانی تہذیب وثقافت کے ابتدائی مراکز میں ہوتا ہے، آج یہ تاریخی اور خوبصورت ترین ملک سامراجی لوٹ کھسوٹ کی ہوس کے ہاتھوں پوری طرح تاراج ہوچکا ہے، سیاسی وسماجی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے، خونریز تنازع کے نتیجہ میں کم وبیش پانچ لاکھ لوگ ہلاک ہوچکے ہیں، اس کے علاوہ کئی لاکھ لوگ نقل مکانی پر اس قدر مجبور ہیں کہ وہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر مختلف ممالک کی سرحدوں کو پار کررہے ہیں۔

سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے امتزاج سے امور حکومت چلاتا اسد خاندان گذشتہ پینتالیس سال سے شام کے اقتدار پر قابض ہے، مشرق وسطی میں اس خاندان کی حکمت عملی امریکی واسرائیلی مفادات کے تحفظ حامی ونگہباں کی رہی ہے، گولان کی پہاڑیوں کو اسرائیل کے حوالہ کرنا ہو یا 1990ء میں کویت کی آزادی کے لیے صدام حسین کے خلاف امریکی اتحادی فوج میں شمولیت ہو، یا پھر نائن الیون کے بعد امریکہ کی جارحانہ کارروائی میں اس کا تعاون ہو، اس خاندان کا کردار ہمیشہ مشکوک رہا ہے، بشار حکومت کے اسی کردار کا نتیجہ ہے کہ شامی عوام پر تمام تر مظالم کے باوجود امریکہ اس کے خلاف کمزور بیانات دینے اور لاحاصل عملی اقدام تک محدود ہے، ایسی صورت میں اقوام متحدہ بھی صرف قرارداد منظور کرنے کی حد تک متحرک ہے۔

شام کی موجودہ صورتحال کے تناظر میں مسلم ممالک اور خاص کر عرب ریاستوں پر بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ خاموش تماشائی بننے کے بجائے مشترکہ جدوجہد کے ذریعہ اس خطہ میں امن کے قیام کو یقینی بنائیں، بصورت دیگر یہ آگ پھیلتے پھیلتے بہت سے مسلم ملکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

قبر یعنی عالم برزخ کی نعمتیں

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم أو مسلمات یموت لیلة الجمعة أو یوم الجمعة الا وقي عذاب القبر وفتنة القبر ولقی الله ولا حساب علیه وجاء یوم القیامة ومعه شهود یشهدون له أو طابع.

’’حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان مرد یا عورت شب جمعہ یا روز جمعہ کو وفات پاتا ہے، وہ عذاب قبر اور فتنہ قبر سے بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے وہ بلا حساب ملے گا اور قیامت میں وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ یا تو وہ گواہ ہوں گے (جو اس کی بھلائی کی) گواہی دیں گے یا کوئی مہری سند ہوگی۔‘‘

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ان الرجل اذا توفي في غیر مولده یفسح له مد بصره الی منقطع أثره.

میت مومن کی عام برکتیں اور فضیلتیں کس کثرت سے آپ سن چکے، ایسی ایسی خوش خبریاں جو عام طور پر خیال میں نہ آئیں، آپ زمان ومکان کی بعض مخصوص برکتیں اور فضیلتیں مزید سن لیجیے۔

جمعہ کا سارا دن اور جمعہ کی ساری رات مغفرت اور رحمت کی نقیب، عذاب قبر وفتنہ قبر سے یکسر نجات، اس سے بڑھ کر بشارت میت کے لیے اور کیا ہوگی ــــــ؟ ہر ہفتہ یہ دولت نصیب، کتنے خوش نصیب یہ اس بہانے نجات پا جانے والے ہوں گے، یہ تو ہوئی وقت کے لحاظ سے اور دوسری خوش خبری جگہ کے لحاظ سے۔

پردیس کی موت، اپنے مولد سے دور موت، بظاہر بے کسی کی علامت، لیکن در حقیقت کتنی بڑی نعمت، قبر کی تنگی وفشار کجا؟ وسعت ہی وسعت، عجب کیا ہے جو یہ مژدہ پا کر تمنا دل میں پردیس ہی کی موت کی پیدا ہونے لگے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان أرحم ما یکون الله بالعبد اذا وضع فی حفرة.

’’ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں نرم ترین اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس بندہ کی میت کو گڑھے میں اتارا جاتا ہے۔‘‘

لیجیے! انسان پر بظاہر بے کسی، بے بسی اور مصیبت کا انتہائی وقت تو وہی ہوتا ہے جب اس کا لاشۂ بے جان خاک کے گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے، اب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے معلوم ہوا کہ وہی وقت خدائے رحیم ورحمان کی تجلیات رحمت کا بھی ہوتا ہے، کوئی بشارت اس سے بڑھ کر مسلمان کے لیے کیا ہوسکتی ہے؟

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: اذا مات العالم صور الله له علمه فی قبره فیونسه الی یوم القیامة ویدرء عنه هوام الأرض.

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ سے: جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم کی ایک صورت بنا دیتا ہے، وہ قیامت تک اس کا انیس رہتا ہے اور اس سے حشرات الارض کو ہٹاتا رہتا ہے۔‘‘

عام مسلمانوں کے ساتھ لطف وکرم کا جو معاملہ ہے اسے اب تک اِس کثرت سے آپ سن چکے، اب معلوم ہوا کہ مخصوص طبقہ علماء کے افراد کے ساتھ معاملہ اور بھی خصوصی اکرام واعزاز کا ہوتا ہے۔ عالم کا علم ایک مانوس اور شفیق صورت اختیار کر کے اس کا رفیق برزخ میں قیامت تک رہتا ہے اور وہ اس کے ظاہری جسم کو بھی زمینی کیڑے مکوڑوں سے ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 10 OCTOBER 2018 Issue: 10

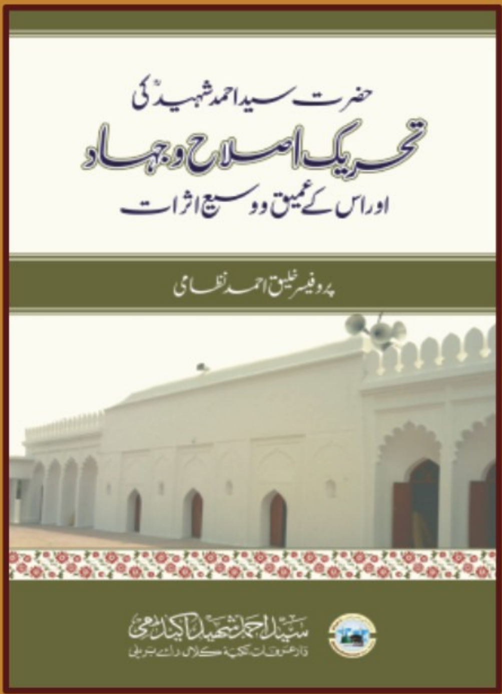

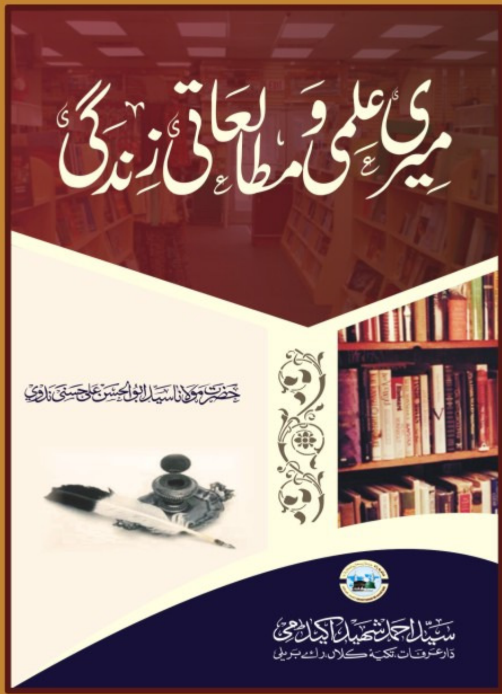

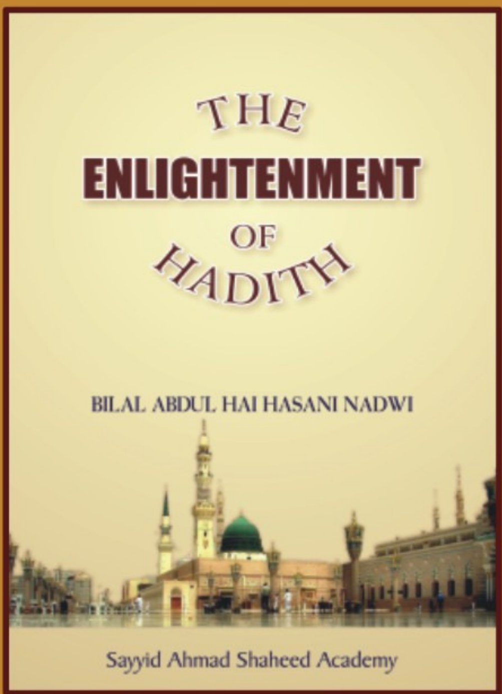

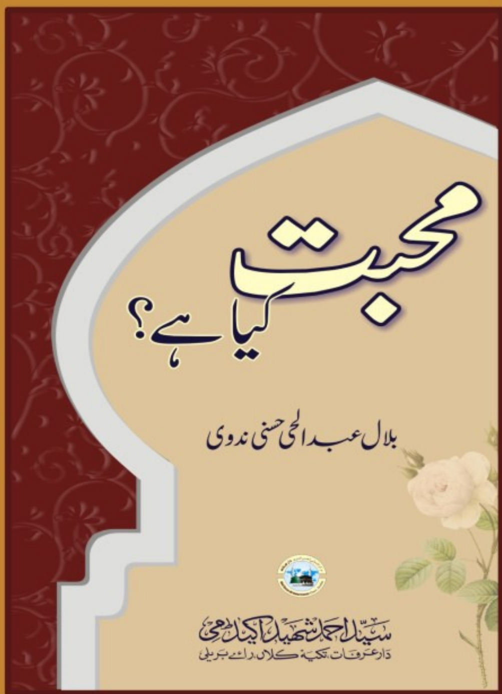

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)